بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

حضرت قاری محمد امین صاحب

دینی تعلیم کے ذرائع اور طریق کار

الحمد للہ رب العٰلمین والصلوٰۃ والسلام علیٰ سیدنا محمد وآلہ واصحابہ ومن تبعھم اجمعین۔ امابعد

صدر محترم اور معزز حضرات!

سب سے پہلے میں کارپردازانِ جامعہ کا شکرگذار ہوں کہ جنہوں نے مجھ جیسے ہیچ میرز کو اس علمی مجلس میں شرکت کی دعوت دی اور ملک کے ماہرین تعلیم اور مایۂ ناز علماء و فضلاء سے ملاقات اور استفادہ کا موقع فراہم کیا۔ ایسے موقع میں کسی شخص کے لئے مناسب تر تو یہی ہے کہ وہ ہمہ لب اور سراپا گوش بن کر بزرگوں کے گرانقدر خیالات سے مستفید ہو لیکن ملک کے تعلیمی انحطاط نے دل کو جس درد و کرب میں مبتلا کر رکھا ہے۔ وہ نالہ و فریاد پر مجبور کر رہا ہے اور آپ کو معلوم ہی ہے کہ نالہ پابندِ نے نہیں ہوا کرتا۔ اس لئے اگر میری یہ تقریر بے ربط و بے آہنگ ہو تو مجھے معذور سمجھا جائے۔

حضرات محترم! عروس آزادی سے ہم کنار ہونے کے بعد چاہیئے تو یہ تھا کہ تعلیم کی طرف سب سے زیادہ توجہ دی جاتی کیونکہ تعمیر ملک و ملت کا اس کے سوا کوئی اور ذریعہ نہیں مگر وائے شومئی بخت اصلاح تعلیم کے لئے جو قدم بھی اٹھا مخالف سمت ہی کی طرف بڑھا۔ آج درسگاہوں میں ایسی نسل پروان چڑھ رہی ہے جسے نہ دین و مذہب سے کوئی واسطہ ہے۔ نہ انسانی و اخلاقی اقدار سے ان حالات میں کیا توقع کی جا سکتی ہے کہ ملک کا مستقبل ان کے ہاتھوں میں محفوظ رہے گا۔

"وَلِمِثْلِ ھٰذَا یَذُوْبُ الْقَلْبُ مِنْ کَمَدٍ"

مایوسیوں کی اس پرہول تاریکی میں امید کی اگر کوئی کرن ہے تو ان حضرات کا وجود مسعود ہے۔ جنہیں قوم کی اس زبوں حالت کا احساس ہے اور بقدر استطاعت اصلاح احوال کیلئے کوشاں ہیں۔ خدا ارباب اختیار و اقتدار کو توفیق دے کہ ان کی رہنمائی میں تعمیر ملک و ملت کا

فریضہ سرانجام دیں اور اس حقیقت پر ایمان لائیں کہ مسلمان کی دنیا اس کے دین سے جدا نہیں۔

حضرات! دین و دنیا کی تفریق غیر مسلم اقوام و ملل کے لئے سازگار ہو تو ہو۔ ملّتِ اسلامیہ کے مزاج کے قطعاً موافق نہیں۔ ہم نے گذشتہ صدی میں دیکھ لیا کہ انگریزوں کے طفیل ہمارے یہاں دو نظامِ تعلیم رائج ہوئے۔ ایک دنیوی تعلیم کا نظام دوسرا دینی تعلیم کا نظام۔ اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ قوم کی عظیم اکثریت اپنی بہترین صلاحیتوں کے ساتھ دنیوی تعلیم کے جال میں اسطرح پھنسی کہ اس کا دین سے برائے نام بھی تعلق نہیں رہا۔ اس کے برعکس گنتی کے چند افراد اپنی جیلہ بے بضاعتیوں کے ساتھ دینی تعلیم کی طرف متوجہ ہوئے تو وہ یکسر دنیا سے محروم رہے نہ انہیں مال و دولت سے کچھ حصہ ملا نہ سیاوت و قیادت سے۔

آخر اس صورت حال نے دینی تعلیم کی زندگی و بقاء کو خطرہ میں ڈال دیا ہے اور اس دین کے حامیوں کو یہ سوچنے پر مجبور کر دیا ہے کہ دینی تعلیم کو باقی رکھنے اور اسے فروغ دینے کے ذرائع کیا ہیں؟

آج کی صحبت میں اسی کے متعلق کچھ عرض کرنا چاہتا ہوں۔

ع شاید کہ اتر جائے کسی دل میں میری بات

دینی تعلیم اور دینی تاریخ کے ایوان نے بحمد اللہ حکومت کی پشت پناہیوں کو صرف قیام و بقاء ہی کے لئے نہیں بلکہ رفعت و بلندی کے لئے بھی غیر ضروری ٹھہرایا ہے۔ ہماری پست ہمتیاں آج جن حیلہ تراشیوں کی آڑ میں پناہ ڈھونڈھیں اپنی تن آسانی و کاہلی کی توجیہ ہم جن سیاسی کمزوریوں کے ذریعہ کریں۔ لیکن اسی زمانہ میں جب سب کچھ ہمارا تھا۔ امریکہ، روس نہیں بلکہ دمشق و بغداد عالم سیاست کا مرکز بنے ہوئے تھے۔ امام ابو حنیفہؒ نے زہر کا پیالہ پی کر امام مالکؒ نے مونڈھوں سے اپنے ہاتھ اتروا کر امام احمد بن حنبلؒ نے لہو میں نہا کر امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے طرح طرح کی تکلیفیں برداشت کر کے آخری سانس تک بتایا جا سکے کہ اس کے سوا اور کس چیز کا ثبوت پیش کیا تھا کہ اسلامی علوم کا قصر رفیع اونچا ہو گا اور اونچا ہوتا چلا جائے گا۔ خواہ حکومتیں اس کی تعمیر میں کوئی حصہ لیں یا نہ لیں۔ نہ صرف پچھلی صدی بلکہ اسلام کی کئی صدیوں میں شاید ہی کوئی صدی اس تجربہ سے خالی دامن ہو گی۔ بہرحال اکثریت کے اعمال و افعال کے متعلق یہ کلیہ تو غلط ہے کہ معاشی محرکات کے سوا ان کی تہ میں اور کچھ نہیں ہوتا۔ مگر اس کا بھی انکار نہیں کیا جا سکتا کہ معاشی اسباب کو بھی ان میں بہت کچھ دخل ہے۔ شیخ عبد الحق محدث دہلویؒ اخبار الاخیار میں اپنے بچپن کے ایک مذاکرہ کا ذکر فرماتے

ہیں جو ان کے ساتھی طلبہ کے ساتھ ہوا تھا وہ خود بھی شریک تھے۔ فرماتے ہیں۔

"یک بار طالب العلمان نشستہ از احوال یک دیگر تفحص می نمودند کہ
نیت در تحصیل علم چیست۔ بعضی طریق تکلف و تصنع بیہودہ می گفتند کہ
مقصود ما طلب معرفت الٰہی۔ بعضے براہ سادگی و راستی رفتہ
می نمودند کہ غرض تحصیل حطام دنیا ویست"

اخبار الاخیار صفحہ ۳۱۲

جن لوگوں نے اپنی تعلیم کا نصب العین معرفت الٰہی قرار دیا تھا شیخ کی ان پر یہ تنقید کہ یہ دعویٰ صرف تکلف و تصنع پر مبنی تھا اس سے معلوم ہوا کہ ان کے دل میں بھی وہی بات تھی جس کا براہِ سادگی و راستی دوسروں نے اظہار کر دیا تھا۔ ان طلبہ کے سوال پر اپنے متعلق فرماتے ہیں کہ۔

"پرسیدند یارے تو بگو کہ در تحصیل علم چہ نیت داری و نظر ہمت
و قصد بر چہ گماری"

شیخ فرماتے ہیں کہ میرے دل میں جو بات تھی میں نے صاف صاف کہہ دی۔

"من اصلا ندانم کہ بر تحصیل علم معرفت الٰہی مترتب شود یا اسباب ملاہی
مرا بالفعل خود شوق این است کہ بارے بدانم کہ چیزے عقلاء و
علماء گذشتہ اند چہ گفتہ اند و در کشف حقیقت معلومات و مسائل چہ
در سفتہ اند"

گویا طلبہ کی اس ساری جماعت میں صرف شیخ کا نفس عالی تھا جس کے سامنے علم کی تحصیل کا مقصد صرف علم تھا۔ ورنہ ان کے بیان سے جیسا کہ عرض کیا گیا یہ معلوم ہوتا ہے کہ تقریباً سب ہی کے سامنے وہی روٹی کا مسئلہ تھا۔ سادہ دلوں نے تو کھلے بندوں اس کا اقرار کر لیا۔ اور جنھوں نے اس اقرار سے گریز کیا۔ ان کے متعلق شیخ کے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کی گفتگو بھی صرف زبانی جمع خرچ تھا ورنہ وہ بھی روٹی ہی کی ایک شکل تھی۔ اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ کچھ آج ہی نہیں بلکہ عموماً بڑا طبقہ انہی لوگوں کا رہا ہے۔ جن کی تعلیمی جدوجہد کے محرکات میں معاشی وجہ کو خاص اہمیت حاصل رہی ہے۔ پہلے بھی یہی تھا اور آج بھی یہی ہے اور دنیا کے لئے یہ کوئی نئی بات نہیں کہ ندی کے کنارے جانے والے جانتے تو اسی نیت سے ہیں کہ پانی لائیں گے لیکن کبھی کبھی "آپ جو آمد و غلام ببرد" کا قصہ پیش آجاتا ہے۔ یہی حال علم کا ہے۔ جس نے نہیں پڑھا اس بیچارے کسی بلند نظری کی آپ توقع

ہی کیوں قائم کرتے ہیں۔ پڑھنے کے بعد بلاشبہ دیکھا جائے گا۔ کہ کس نے اپنے علم کو تن پر مارا اور کس نے علم کی زد جان پر لگائی۔ مولانا روم کا شعر ہے۔

علم را بر تن زنی مارے شود علم را بر جاں زنی یارے شود

ظاہر ہے کہ علم کے استعمال کی دونوں غلط اور صحیح صورتوں کا موقع تو حصول علم کے بعد ہی پیدا ہو سکتا ہے۔ کہتے ہیں الحاکم الصدر الشہید جو چوتھی صدی ہجری کے مشہور حنفی امام ہیں بادشاہ نے کسی مسئلہ میں مجبور کرنا چاہا۔ جس میں دین اور علم کی صراحۃً خلاف ورزی لازم آتی تھی انہوں نے انکار کر دیا۔ بادشاہ نے ان کے قتل کرنے کا حکم دے دیا کہ دو درختوں کی شاخوں میں باندھ کر دو ٹکڑے کر دیئے جائیں۔ ان کو خبر ملی تو غسل کیا حنوط ملا کفن گلے میں ڈالا اور اپنے آپ کو جلاد کے حوالہ کرتے ہوئے زبان پر یہ جاری تھا" تعلمنا العلم لغیر اللّٰہ فابی العلم ان یکون الا للّٰہ" یعنی ہم نے علم کو خدا کے لئے نہیں سیکھا تھا۔ لیکن خود علم نے انکار کیا وہ خدا ہی کے لئے ہو کر رہا۔

پس یہ ہو سکتا ہے کہ کسی کا علم غیر خدا کے لئے ہونے سے انکار کر جائے لیکن علم حاصل تو ہو لے۔

حضرات! ان واقعات کے بعد دنیا میں جو چیز بھی وجود میں آتی ہے اس کے نزدیک سب سے زیادہ اہم اپنی زندگی کی بقاء کا تحفظ ہوتا ہے۔ اس میں انسان غیر انسان ذی روح کی کوئی تخصیص و تمیز نہیں اور جب وہ چیز اپنی بقاء کی طرف سے مطمئن ہو جاتی ہے تو اس کمال کی طرف قدم بڑھاتی ہے جہاں تک اسے پہنچنے کے لئے قدرت نے وجود بخشا ہے۔ اسی عالمگیر قانون کی کارفرمائی زیر اثر انسان ہی سب سے پہلے اپنی بقاء کی طرف توجہ دیتا ہے اس کے بعد دوسرے اغراض و مقاصد پر نظر ڈالتا ہے یہی وجہ ہے کہ علم جو روح کے لئے نور اور دل کے لئے سکینہ ہے اس کی تحصیل میں بھی یہ بات پیش نظر ہوتی ہے کہ یہ معاشی اعتبار سے کس حد تک سودمند ہے۔ اس لئے دینی تعلیم کو فروغ دینے کا اس سے زیادہ مؤثر اور کوئی ذریعہ نہیں کہ اسے طالب العلم کی معاش کا کفیل بنایا جائے اور اسے یقین دلایا جائے کہ یہ تعلیم نہ صرف تمہاری خوشحالی اور فارغ البالی کا ضامن ہے۔ بلکہ عزت و اقتدار کے ہر منصب بلند کو ہی تمہارے قدموں میں لا ڈالنے والی ہے۔ جب تک یہ صورت نہیں ہوتی۔ ترویج و اشاعت علوم دینیہ کی ہر کوشش نقش بر آب ثابت ہو گی۔ آپ دیکھ رہے ہیں کہ عربی مدارس کے طلبہ کی جملہ ضروریات زندگی و لوازم تعلیم کا مفت انتظام ہوتا ہے۔ پھر بھی ملک میں گداگروں سے بھی ان کی تعداد کم ہے۔ اور جو ہیں بھی ان سے بہت سے جسمانی و ذہنی اعتبار سے ناقص ہیں اسکی وجہ اس کے سوا اور کیا ہو سکتی ہے کہ دینی علوم کا حاصل کرنا بھیک مانگنے سے زیادہ غیر مفید ہے۔ پس دین کا درد

رکھنے والے اگر دینی تعلیم کو فروغ دینا چاہتے ہیں تو انہیں صرف یہ کوشش کرنی چاہیئے کہ ماضی کی طرح آج بھی دینی تعلیم ہماری جملہ دینی و دنیوی ضرورتوں کی کفیل بنے۔ اس سلسلہ میں اگرچہ علماء دین و ماہرین تعلیم کا بھی فرض ہے کہ وہ ایسا نصاب تعلیم مرتب کریں جو دینی ہونے کے علاوہ عصر حاضر کے تقاضوں کے مطابق دنیا کی تمام ضرورتیں بھی پوری کر سکے۔

لیکن اس بات کا خیال رہے کہ دین و دنیا کا امتزاج بالکل اسی طریقے پر ہو جس طرح ہمارے اسلاف نے کیا تھا۔ یعنی عصری علوم کو دین کے خادم کی حیثیت سے قبول کیا تھا نہ کہ حریف و مدمقابل کی حیثیت سے۔

دینی تعلیم کو فروغ دینے کی صورت صرف یہی ہے لیکن جب تک یہ صورت وقوع پذیر ہو۔ علماء دین و منتظمان مدارس عربیہ کو چاہیئے کہ وہ عصری علوم و فنون کو بھی اپنی مقدس بارگاہ میں باریابی کا شرف بخشیں۔ اگر انہوں نے ایسا نہ کیا تو یاد رکھیں کہ فطرت کی تعزیر بڑی سخت ہے۔ اور سنت اللہ میں کبھی تبدیلی نہیں ہوتی۔

آخر میں

میں ایک بار پھر معذرت چاہتا ہوں کہ اپنی بے سر و پا تقریر سے آپ لوگوں کے لئے دردسر کا باعث بنا۔ فقط

وَمَا عَلَيْنَا إِلَّا الْبَلَاغُ

وَلْتَكُنْ مِّنْكُمْ اُمَّةٌ يَّدْعُوْنَ اِلَى الْخَيْرِ وَيَاْمُرُوْنَ
بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ ط

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

تجاویز

حضرت مولانا عبد الحامد صاحب بدایونی کے زیرِ صدارت کانفرنس کے آخری اجلاس میں حسبِ ذیل تجاویز باتفاقِ رائے منظور ہوئیں۔

۱۔ یہ کانفرنس صدرِ مملکت فیلڈ مارشل محمد ایوب خان کی بے حد ممنون ہے کہ انہوں نے اسلامی حکومتوں کے زوال کے بعد اپنے دورِ حکومت کے اندر بہاولپور میں پہلی مرتبہ ایک ایسے مثالی جامعہ کی تشکیل اس غرض سے کی کہ یہ قدیم اور جدید علوم کا ایسا سنگم بنے جس کے فارغ التحصیل علماء دینی علوم کے حامل اور اسلامی اقدار کے فروغ کے ضامن ہونے کے ساتھ ملک کی ترقی و استحکام کے لئے ہر شعبۂ زندگی میں نمایاں خدمات سرانجام دے سکیں۔ صدرِ مملکت کی اسی خصوصی توجہ کا نتیجہ ہے کہ تین سال کی مختصر مدت میں جامعہ کے ہائی اسکول کے امتحانات کو لاہور، حیدرآباد کے ثانوی بورڈ نے اپنے امتحانات کے مساوی اور پنجاب یونیورسٹی نے اس کے اجازہ، شہادت عالمیہ اور تخصص کے امتحانات کو اپنے "ایف-اے" بی-اے" اور "ایم-اے" کے برابر تسلیم کرلیا ہے اور آج تک دینی علوم کے فارغ التحصیل علماء پر جو دروازے بند تھے کھول دیئے ہیں۔

(محرک) (ڈاکٹر سید حامد حسن بلگرامی)
رئیس الجامعہ جامعہ اسلامیہ بہاولپور

(مؤید) (جناب قاری محمد امین صاحب)

۲۔ اس کانفرنس کی رائے میں پاکستان کی سالمیت و استحکام اور قومی وحدت و تنظیم کو پائیدار بنیادوں پر برقرار رکھنے کے لئے مسلمانوں میں دینی اقدار کو عام کرنا اور دینی جذبے اور حب الوطنی کے شعور کو بیدار کرنا ضروری ہے۔

(محرک) (حضرت مولانا منتخب الحق صاحب)
صدر شعبۂ اسلامیات، کراچی یونیورسٹی

(مؤید) (مولانا الٰہی بخش صاحب جاراللہ)
لیکچرر جامعہ اسلامیہ، بہاولپور

۳- یہ کانفرنس جامعہ اسلامیہ کے نصاب تعلیم (درس اسلامی) پر اپنے مکمل اطمینان کا اظہار کرتی ہے۔ اور ملک کے دینی دارالعلوموں سے اور مدارس سے یہ امید رکھتی ہے کہ ملک و ملت کے عام مفاد کے لئے جامعہ کے نصاب تعلیم کو اپنے اپنے اداروں میں جاری کر کے اور جامعہ سے رابطۂ الحاق قائم کر کے جامعہ کی منظور شدہ اسناد سے اپنے طلباء کو فائدہ اٹھانے کا موقع دیں گے۔

(محرک) (حضرت مولانا شمس الحق صاحب افغانی)
شیخ التفسیر جامعہ اسلامیہ بہاولپور

(مؤید) (حضرت مولانا عبدالحامد صاحب بدایونی)

۴- یہ کانفرنس حکومت سے استدعا کرتی ہے کہ مغربی پاکستان کے ہر ڈویژن میں ہائی اسکول کے معیار تک جامعہ اسلامیہ کے نصاب کے مطابق ایک ایک اسکول قائم کرے جس کا الحاق جامعہ اسلامیہ سے ہو۔ تاکہ جامعہ کی خدمات سے مغربی پاکستان کا ہر گوشہ مستفید ہو سکے۔

(محرک) (حضرت مولانا عبدالقدوس صاحب)
صدر شعبہ اسلامیات پشاور یونیورسٹی

(مؤید) (جناب ڈاکٹر شیخ عنایت اللہ صاحب)

۵- یہ کانفرنس محترم وزیر تعلیم وادقاف مغربی پاکستان جناب خان محمد علی خان صاحب اور چیف ایڈمنسٹریٹر اوقاف، مغربی پاکستان جناب خان عبدالرشید خان اور کمشنر بہاولپور جناب جبین حیدر کا شکریہ ادا کرنا اپنا فرض تصور کرتی ہے کہ انکی مخلصانہ توجہ اور سرپرستی کے باعث یہ کانفرنس اس درجہ کامیاب ہو سکی۔ نیز یہ کانفرنس رئیس الجامعہ کا شکریہ ادا کرتی ہے۔ جن کی مساعی جمیلہ کی بدولت یہ کانفرنس منعقد ہوئی اور ان یونیورسٹیوں اور اداروں کی بھی ممنون ہے۔ جنہوں نے اپنے نمائندوں کو اس کانفرنس میں شرکت کی اجازت دے کر جامعہ اسلامیہ کے ساتھ تعاون فرمایا۔

(محرک) (جناب رجسٹرار صاحب)
جامعہ اسلامیہ بہاولپور

(مؤید) (سیکرٹری کانفرنس فروغ تعلیم دین)

دو علمی و تحقیقی مقالے

حضرت مولانا سید احمد سعید صاحب کاظمی
شیخ الحدیث
الٰہی بخش جار اللہ ایم۔اے
لیکچرر